ڈاکٹر نیاز احمد*/ڈاکٹر علی بیات*

اردو شاعری میں اقبال کے فکری مباحث

Iqbal's discourses in Urdu poetry

Abstract:

Allama Iqbal (1877-1938) was a covenant-making person. He has written poetry in both Persian and Urdu languages. His greatness was first recognized in his own home through Urdu poetry and then Persians made him the sage of the entire East. Allama Iqbal's Urdu poetry went through several stages of evolution. Discussions found in Iqbal's Urdu poetry are called discussions of Iqbaliat. Where Iqbal's Muslim wisdom and religious insight exposed the basic weakness of Western civilization, he helped Muslims highlight the basic realities of Islam. In the history of Urdu poetry, Allama Iqbal is the only poet who breathed a new spirit in poetry with his special color and new intellectual sense, with reliable subjects and innovative works, allusions and philosophy. He gave such a tone to poetry that people started liking his poetry. Poets started following and imitating Iqbal. Iqbal's thoughts and ideas are reflected in his poetry like a mirror.

Keywords: Iqbal, Persians, Discussions, Wisdom, Spirit, Intellectual sense, Thoughts, Mirror.

علامہ اقبال (۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء) ایک عہد آفرین شخص تھے۔ اپنے وقت کے عظیم شاعر، حکیم، نکتہ داں اور صوفی منش انسان تھے۔ آپ نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شاعری کی ہے۔ فارسی شاعری میں خصوصاً ان کی بڑی مثنویوں "پس چہ باید کرد

*پنجاب سکول ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ
*یونیورسٹی آف تہران، ایران

مسافر"اور"اسرار و رموز"میں علامہ کا نظام افکار سالم طور پر سامنے آتا ہے اور اُردو شاعری میں اجزا کی صورت میں نمودار ہوا۔ اگر علامہ اقبال اردو کی بجائے صرف فارسی میں لکھتے تو بڑے شاعر تو ہوتے مگر بڑے قومی شاعر نہ ہوتے۔ ان کی عظمت پہلے اپنے گھر میں اُردو شاعری کے ذریعے تسلیم ہوئی، اس کے بعد فارسی نے انھیں پورے مشرق کا حکیم الامت بنا دیا۔ بقول ڈاکٹر سید عبد اللہ:

> "اقبال کی اُردو شاعری کئی لحاظ سے ان کی فارسی شاعری سے افضل ہے، اس کا مقامی دائرہ تخاطب، اس کے مانوس اور فطری اسالیب اور اپنے ملک و وطن کے جذبات کی براہِ راست ترجمانی کے لحاظ سے ان کی فارسی شاعری، ان کی اردو شاعری کا مقابلہ نہیں کر سکتی"(۱)

یہ معلوم ہے کہ علامہ اقبال کی اُردو شاعری ارتقا کے کئی مراحل سے گزری۔ چنانچہ ہر مرحلہ ایک خاص عہد کا نمائندہ ہے۔ ان ارتقائی ادوار کی فہرست یوں بن سکتی ہے۔ مخزن کا دور جسے رومانیت کا دور کہیے۔ پھر وطنیت کا دور اور اس کے بعد ملّی احساس کے آغاز کا دور، اس کے بعد اتحاد اسلام کے جذباتی اور ملّی اجتماعی نظام فکر کی تدوین اور فکریت کا زمانہ اور آخر میں تنقید معاشرت کا عہد ہے۔ اقبال کی اُردو شاعری میں پائے جانے والے مباحث کو اقبالیات کے مباحث کہتے ہیں۔ علامہ اقبال کے کلام کے بارے میں ڈاکٹر مظہر علی حامد اپنی کتاب "اردو نظم پر اقبال کے اثرات" میں یوں رقم طراز ہیں:

> "اقبال کے کلام میں دریا کی سی روانی اور دلوں کو گرمانے والی کیفیت پائی جاتی ہے۔ مزید یہ کہ اظہار بیان شستہ اور دلآویز، ایک اچھوتا اسلوب اور تخیل کی پرواز منتہائے کمال پر نظر آتی ہے۔ شاعری کے اس پھیلاؤ میں لازم تھا کہ شاعر اپنی انفرادیت بھی قائم رکھے اور ان موضوعات سے بچ کر تخلیقی کام کرے۔ اقبال کے کلام کی یہ خوبی کتنی طاقت ور ہے کہ پیغام ہی پیغام، تبلیغ ہی تبلیغ اس کے علاوہ فلسفہ اور سائنس کا ادراک اور اس امتزاج سے شاعری میں نئے انکشافات سے انسان کو آگاہ کیا۔ یہ ظاہر کیا کہ اپنی خودی کا ادراک کر کے اپنے مذہب اور رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر دنیوی اور اخروی زندگی میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔"(۲)

علامہ اقبال کا شمار عالمی سطح کے ان شعرا کے اوّل دستے میں ہوتا ہے جنھوں نے نہ صرف شاعری کو فنی عظمت سے ہمکنار کیا بل کہ اپنے پر کیف انداز اظہار سے مردہ اذہان میں حیات بخش افکار بھر دیے۔ اقبال نے ایسے دور میں آنکھ کھولی جب مسلمان ہر طرف زوال کا شکار ہو رہے تھے اور یوں انحطاط کی انتہائی پستی میں پہنچ کر اپنے مذہب کی زندگی بخش تعلیم سے مایوس ہوئے جا رہے تھے۔ یہی وہ دور ہے کہ جس میں مسلمانانِ عالم مغرب کی مادی ترقی کی چیک دمک کے ہاتھوں بے یقینی کی دلدل میں پھنس رہے تھے۔ اقبال کی مسلمانانہ دانشمندی اور مومنانہ بصیرت نے جہاں مغربی تمدن کی بنیادی کمزوری کو بے نقاب کیا وہاں اس نے اسلام کی بنیادی حقیقتوں کو نمایاں کرنے میں مسلمانوں کی مدد کی۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانانِ عالم میں اولعزمی، بلند ہمتی اور قلندرانہ بے باکی پیدا کرنے کے لیے اپنا فلسفہ خودی پیش کیا۔

فلسفہ خودی کے مباحث کو علامہ اقبال کے کلام میں اساسی حیثیت حاصل ہے۔ خودی دراصل وجدان کی ایسی منزل ہے جہاں پہنچ کر انسانی روح کو اپنے آپ سے اور اپنے مقصود زندگی سے شناسائی ہو جاتی ہے۔ خودی کا لفظ فخر، تکبر، غرور یا اردو فارسی کے مروجہ معنوں میں

استعمال نہیں ہوا۔ خودی، اقبال کے نزدیک نام ہے احساس غیرت مندی کا جذبہ، خودداری کا، اپنی ذات وصفات کے احساس کا، حرکت و توانائی کا، مظاہرات فطرت سے برسرِ پیکار رہنے کا اور دوسروں کا سہارا پیدا کرنے کا۔

علامہ اقبال کے ہاں خودی کا تصور حقیقت قرآن کے نیابت الٰہی کے تصور کا آئینہ ہے۔ خدا کی حقیقت اور قوتوں کے سامنے خاک و افلاک ذرہ خورشید سب سر بسجود ہیں۔ قرآن کریم میں جس نصب العینی آدم کا تصور پیش کیا ہے وہ بھی مسجود ملائک ہے۔ جس طرح خدا خود مسجود ملائک ہے۔ اس ظاہری تضاد سے توحید میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ جب کسی بادشاہ کا وزیر یا نائب پوری طرح سے اس کی سیاست کو سمجھنے والا اور تہہ دل سے اس کے احکام بجالانے والا ہو تو اگرچہ سرچشم اقتدار بادشاہ ہوتا ہے۔ لیکن رعایا کو نائب کی اطاعت اسی طرح کرنی پڑتی ہے جس طرح بادشاہ کی۔ انسان کا نصب العین یہ ہے کہ شمس و قمر و حجر اور کائنات کی وہ قوتیں جنہیں ملائکہ کہتے ہیں سب کے سب اس کے لیے مسخر ہیں۔ وہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ وہ مشیت ایزدی کے عرفان سے اپنی خودی کو استوار کرتا چلا جائے۔ اس کی قوت تسخیر کی کوئی حد نہ ہوگی۔ نباتات وحیوانات اور اجرام فلکیہ پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد وہ ملائکہ پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد وہ ملائکہ انبیا اور آخر میں خدا کے ساتھ ہم کنار ہو سکے گا یہی وہ مقام ہے جس کی نسبت اقبال کہتا ہے کہ:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے(۳)

علامہ اقبال نے خودی کے تصور کو مختلف علامات سے بھی بیان کیا ہے۔ عزیز احمد ''اقبال: نئی تشکیل'' میں لکھتے ہیں:

> ''جگنو کا مقام پروانے سے افضل اس لیے ہے کہ جگنو کی آگ آتش بے سوز سہی لیکن وہ اس کی اپنی خودی کی پروردہ ہے۔ پروانہ پرائی آگ کا دلدادہ ہے۔ اس میں حرکت کی صفت ضرور ہے مگر وہ اسے اپنی خودی سے ہٹا کر فنا کی طرف لے جاتی ہے۔ پروانے کا یہ تصور مشرقی شاعری کی ہزاروں سال پرانی ڈگر سے بڑا انقلابی انحراف ہے۔''(۴)

قرآن میں بہت سے واقعات ہیں جو غیر معمولی ہیں جو انبیاء کے حوالے سے غیر معمولی واقعات ہوتے ہیں انھیں معجزات کہا جاتا ہے۔ ایسے غیر معمولی واقعات جو غیر انبیاء کے ہاتھوں سرزد ہوتے ہیں انھیں کرامت کہا جاتا ہے۔ ان واقعات کو شریعت کی بنیاد نہیں بنایا گیا مگر تمام غیر معمولی واقعات کا تصوف سے جوڑ ہے ہم ان کا انکار بھی نہیں کر سکتے۔ تصوف کے بارے میں صدیوں سے بحث چل رہی ہے اس کے خلاف بھی اور حق میں بھی۔ علامہ اقبال کے مطابق وہ گروہ جس نے قرآن کا وہی مفہوم سمجھا جو صحابہ کرام نے سمجھا۔ جس نے اس راہ میں کوئی اضافہ نہ کیا جو رسول ﷺ نے متعین کی۔ جس کی زندگی صحابہ کرام کی زندگی کا نمونہ ہے۔ جو سونے کے وقت سوتا ہے اور جاگنے کے وقت جاگتا ہے۔ جنگ کے وقت میدان جنگ میں جاتا ہے کام کے وقت کام کرتا ہے اور آرام کے وقت آرام کرتا ہے۔ اپنے اعمال و افعال میں آپ ﷺ کی زندگی کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ یہی گروہ تصوف کے زمرے میں آتا ہے۔ علامہ اقبال تقدیر پرستی کی بجائے تقدیر کو بدلنے کا سبق دیتے ہیں:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیریؒ
رسم خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری(۵)

عشق عربی زبان کا لفظ ہے۔ حب کی معراج اور محبت کی رفعت عشق کہلاتی ہے یہی محبت کسی بلند درجے پر جا کر جنون کہلاتی ہے۔ عشق کا محرک مجازی یا حقیقی ہو سکتا ہے۔ یہ جذبہ عشق ہی ہے جو نا ممکن کو ممکن اور مشکل کو سہل بنا دیتا ہے۔ یہ عشق ہی ہے جو انسان کو انسانیت کی معراج پہ لے جاتا ہے اسی لیے صوفیا اور صوفی شعرا نے اس کی اہمیت پر بہت کچھ لکھا ہے۔ علامہ اقبال کی سخن وری میں پیغمبرانہ شان ان کے فلسفہ عشق و خرد کے باوصف ہیں۔ عقل و عشق کے ٹکراؤ کو انھوں نے ایک مخصوص فلسفۂ زندگی بنایا اور زندگی میں ترفع حاصل کرنے کے لیے عشق کی کار فرمائی کو ناگزیر قرار دیا اس موضوع پر انھوں نے سینکڑوں اشعار اپنی غزلوں، نظموں، رباعیوں اور دیگر اصناف میں لکھے۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ”عقل تشکیک میں گرفتار رہتی ہے اور دل ایمان کا طالب ہوتا ہے۔ عقل نفع و ضرر اور ننگ و نام کے پیمانوں سے سوچتی اور احتیاط برتنے کی تلقین کرتی ہے۔ جب کہ عشق پروانے کی طرح شمع پر گرتا ہے۔ انسانی زندگی میں بڑے بڑے انقلابات اور ترقیاں نامعقولوں کی بدولت ظہور میں آئی ہیں۔ انھوں نے کچھ کہنا یا کرنا چاہا ہر محتاط عاقل نے انھیں روکنے کی کوشش کی لیکن انھوں نے کسی کی نہ سنی۔“(۶)

خودی کی طرح عشق کا مباحث بھی اقبال کی خاص اصطلاحوں میں سے ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں جب تک کسی فرد یا جماعت کو کسی شے سے عشق نہ ہو وہ ترقی نہیں کر سکتی۔ جب کسی نصب العین کے حصول کا سودا سر میں سما جائے تو وہ قوم ناممکن کو ممکن بنا کر رکھ دیتی ہے۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی(۷)

اقبال عقلِ محض کو برا نہیں گردانتے تاہم ان کے نزدیک عقل محض نے انسان کو بہت متاثر کیا ہے۔ اگر انسان کا مقصد کامیاب زندگی (پر امن، خوشحال اور باوقار) گزارنا ہے تو پھر اسے جنوں (عشقِ حقیقی) یعنی سچے جذبے سے کام لینا ہوگا۔ آپ لکھتے ہیں:

زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعلِ راہ
کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحبِ ادراک (۸)

سلطنت، حکومت، فقر اور دین یہ سب کچھ عشق کے ہی معجزات ہیں۔ عاشق عناصر پر حکمران ہوتا ہے۔ زمان و زمیں، مکان و مکیں سب عشق ہی کی بدولت اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ عشق کو عقل پر ترجیح دینے کے اسباب عشق و عقل میں تفاوت میں بھی بیان کر دیئے ہیں اور مزید یہ

کہ علامہ اقبال کے نزدیک عشق ہی سے حقائق اشیا کا مکمل علم اور صحیح بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ انسانی زندگی کی رونق اور ارتقاء میں جتنا اثر عشق کا ہے اس کا عشر عشیر بھی عقل کا نہیں، زندگی کی ساری گہما گہمی اور تمام ہنگامے عشق کی بدولت ہی ہے۔ اگر دل بھی عقل کی طرح فرزانگی کا شکار ہو جائے تو زندگی کا سارا لطف غارت ہو جائے گا۔

علامہ اقبال اپنی شاعری کے مباحث میں عشق رسول ﷺ کو انسان کی ارتقا کے لیے لازمی گردانتے ہیں۔ ہماری آبرو آپ ﷺ کے نام نامی کی بدولت ہے۔ مسلمان کے دل میں حضور ﷺ کی محبت جاگزیں ہوتی ہے۔ عشق اس وقت تک بے معنی ہے جب تک محبوب کا اتباع نہ کیا جائے۔ علامہ اقبال اتباع رسول ﷺ میں اس قدر سرگرم تھے ان کے نزدیک یہ عشق و مستی جو عشق مصطفوی ﷺ کے واسطہ سے نصیب ہوتی ہے۔ وہ ایک ایسا عظیم اور بے کنار بحر ہے جس کی موجوں سے زمین و آسمان کی ساری کائنات معمور ہے۔ پروفیسر محمد طاہر فاروقی ''سیرت اقبال'' میں علامہ اقبال کے حُب رسولؐ کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

> ''علامہ کی طبیعت میں اس قدر سوز و گداز تھا اور آپ حب رسول ﷺ میں اس قدر سرشار تھے کہ جب کبھی حضور ﷺ کا ذکر خیر ہوتا بیتاب ہو جاتے اور دیر تک روتے رہتے۔''(۹)

مسئلہ جبر و قدر ایک پرانی فلسفیانہ بحث ہے۔ اس مسئلے کا موضوع بحث یہ ہے کہ آیا انسان اپنے اعمال میں مجبور ہے یا مختار؟۔ نظریہ جبر کی رو سے انسان مجبور محض ہے اور وہ ایک کٹھ پتلی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا جس کے دھاگے خدا کے ہاتھ میں ہیں اور وہ جس طرف چاہتا ہے اسے چلاتا ہے اور حرکت دیتا ہے۔ انسان جس فعل کا ارتکاب کرتا ہے وہ اصل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور انسان کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔ نظریہ قدریہ کی رو سے انسان اپنے فعل میں مکمل طور پر آزاد ہے وہ جس وقت چاہے کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے فعل میں کوئی قدرت حاصل نہیں ہے۔ انسان کو عقل دی گئی ہے جس کی رہنمائی میں وہ اپنے برے بھلے میں خود تمیز کر سکتا ہے۔

علامہ اقبال کا خیال ہے کہ انسان پر اپنے فعل کی نہ صرف پوری ذمہ داری عائد ہوتی ہے یہی نہیں بل کہ انسان کو زندگی کا سب سے زیادہ اتفاقیہ نمونہ ہونے کی وجہ سے یہ عمل اور انقلاب کی انتہائی صلاحیت کی وجہ سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اس میں سارا عالم اور ساری کائنات کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی اور اس عالم کو بدل کر بالکل دوسری طرح کا عالم بنا دینے کی طاقت موجود ہے۔

تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں کہ چار سو بدل جائے(۱۰)

علامہ اقبال کا خیال ہے کہ انسان کے لیے یہ مقدور ہو چکا ہے کہ وہ اپنے اطراف میں پھیلی ہوئی کائنات کی تعمیر و ترقی کرتا ہے اور مسلسل و بتدریج عمل میں خدا اس کے شریک کار کی حیثیت سے معاون رہتا ہے۔ انسان میں خود ترقی کرتے رہنے کی تحریک موجود ہو، انسان کو یہ قدرت ہے کہ وہ اپنے نفس میں تغیر پیدا کرے اور زمان و مکان پر غلبہ پالے۔ اخلاقی زندگی میں علامہ اقبال کا نظریہ جبر و قدر بیان کرتے ہوئے منظور احمد لکھتے ہیں:

"جہاں تک جبر و قدر کے اخلاقی تقاضوں کا سوال ہے تو اخلاقی زندگی کے لیے نہ تو کلی جبر ہی ضمانت ہے اور نہ ہی کلی قدر وہ تو جبر و قدر کے بین بین ایک حیثیت ہے جن کو ہم قدریت(Self Determinism) کہہ سکتے ہیں۔یعنی یہ کہ ہمارے افعال و عمال علت و معلول کے میکانکی نظام کے سلسلہ کی ایک کڑی نہیں ہیں بل کہ وہ خود ذات فاعل سے متعین ہوا کرتے ہیں۔"(۱۱)

آزادی اور اختیار ایسی چیز ہے جس کا تجربہ ہمیں اپنی ذات کی گہرائیوں میں ہو سکتا ہے اور ایسا تجربہ ہر چیز کو اپنی فطرت کے اعتبار سے ہوتا ہے اس کو ہم حالت خود بینی قرار دے سکتے ہیں۔ جس کی وجہ سے انسانی ذہن نئے نئے تصورات کی تخلیق و ایجاد میں دگنی خوشی اور آزادی محسوس کرتا ہے۔بقول علامہ اقبال:

وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا(۱۲)

متصوفانہ ادب میں ابلیس کے متعلق طرح طرح کے تصورات ملتے ہیں کسی نے اس کو ملعون ہونے کی بجائے بڑا موحد قرار دیا ہے، جس نے حکم الٰہی کے باوجود غیر خدا کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔کسی نے اس کو مادیت کا امام گردانا ہے کہ آدم کا خاکی عنصر تو اس کو نظر آیا اور اس کے عرفان اور روحانی ممکنات اس کو نظر نہ آسکے۔ آج بھی فلسفیانہ مادیت انسان کے متعلق وہی زاویہ نگاہ رکھتی ہے جسے قرآن نے ابلیس کی طرف منسوب کیا ہے۔ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم "فکر اقبال" میں لکھتے ہیں:

"ابلیس یا شیطان کی ماہیت کیا ہے۔یہ بھی اسرار حیات میں سے ایک سربستہ حقیقت ہے۔ صوفیا، حکماء اور مفکر شعرا نے طرح طرح سے اس کی گرہ کشائی کی ہے۔ کیا ابلیس زندگی کے کسی مظہر کا نام ہے یا وہ کوئی مادہ بہ شر شخصیت ہے۔ یا وہ کوئی زوال یافتہ باغی فرشتہ ہے یا اس جناتی مخلوق کا امام ہے جسے قرآن نے ناری قرار دیا ہے۔ کیا خود نار ایک استعارہ ہے؟ یا دنیا کی آگ کی طرح جلانے اور بھسم کرنے کا ایک عنصر ہے۔"(۱۳)

علامہ اقبال کی نظم "تسخیر فطرت" میں ابلیس سجدہ آدم سے انکار کی وجہ بڑے زور و شور سے بیان کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو حرکت کا سرچشمہ بناتا ہے۔ زندگی میں جو برکت ہے وہ حرکت کی وجہ سے ہے۔ اس لیے وہ زندگی کی برکتوں کو بھی اپنی طرف منسوب کر لیتا ہے۔ وہ ذات باری کو کہتا ہے کہ سب ہنگامہ حیات اور زندگی کی تمام ہمہ ہمی اور گہما گہمی میری وجہ سے ہے۔ میں نہ ہوتا تو نہ کائنات میں جنبش نظر آتی اور نہ زندگی میں سوز و ساز ہوتا۔ وہ تخریبی حرکات کے ساتھ ترکیبی عناصر اور مظاہر کو بھی اپنی رہین منت سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے خواہ مخواہ بدنام کرتے ہو کہ میں نفی و تخریب ہی کے درپے رہتا ہوں۔ لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہر نئی تعمیر پہلی تعمیر کو ڈھالنے کے بعد ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ تخریب کو مجھ سے منسوب کرتے ہو تو تعمیر کو بھی میری طرف منسوب کرو، جو تخریب کے بغیر نہ ہو سکتی تھی۔ "بال جبریل" میں بھی جبریل و ابلیس کے مکالمے میں ابلیس اپنی کارگزاری پر فخر کرتا ہے۔

میں کھٹکتا ہوں دل یزداں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اللہ ہو ، اللہ ہو ، اللہ ہو(۱۴)

ابلیس، جبریل کو محض اطاعت گزار اور بے چوں وچرا فرمانبردار ہونے کی وجہ سے لذت آرزو سے محروم سمجھتا ہے۔

علامہ اقبال نے وقت کے سارے فلسفیانہ اور شاعرانہ استعمال کے بعد یہ اعلان کر دیا کہ خدا وقت سے باہر ہے اگر کوئی ان پر الحاد اور دہریت کا الزام عائد کرتا ہے تو یہ اس کی تنگ نظری ہے۔

تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
اک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات (۱۵)

علامہ اقبال کے تصور وقت کے مباحث کا تیسرا عنصر وہ ہے جس پر برگسان کے فلسفہ کا اثر ہے۔ علامہ اقبال نے اس تصور کو ان شعروں میں پیش کیا ہے۔

فریب نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرہ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی(۱۶)

اقبال کا تصور شاہین، اردو شاعری کے مباحث میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ علامہ اقبال کو یہ پرندہ اپنی خونخواری کے باعث پسند نہیں ہے بل کہ اس لیے پسند ہے کہ اس پرندے میں وہ تمام صفات موجود ہیں جو علامہ اقبال کے نزدیک ایک مرد مومن یا مرد درویش میں موجود ہونی چاہئیں۔ وہ اپنی قوم کے نوجوانوں کو اپنی صفات کا حامل دیکھنے کا خواہشمند ہیں اس لیے انھیں شاہین بچے کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ شاہین کو اس طرح علامت بنا کر اس سے پہلے کسی اور اُردو شاعر نے پیش نہیں کیا تھا۔

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں(۱۷)

علامہ اقبال کی شاعری میں فلسفیانہ عناصر کے مباحث پائے جاتے ہیں۔اس حوالے سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اقبال کے فلسفیانہ مباحث نے اردو شاعری کی روایت میں اپنا بہت اثر چھوڑا ہے۔ان کا فلسفیانہ انداز اردو شاعری کی روایت میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔

وہ مستِ ناز جو گلشن میں آنکلتی ہے
کلی کلی کی زبان سے دعا نکلتی ہے
الٰہی پھولوں میں انتخاب وہ مجھ کو کرے
کلی سے رشکِ گل آفتاب مجھ کو کرے(۱۸)

بعض ناقدین علامہ اقبال کو صرف فلسفی شاعر قرار دیتے ہیں۔ان کی مراد یہ ہے کہ اقبال فلسفی پہلے ہیں اور شاعر بعد میں کیوں کہ ان کے کلام میں فلسفہ کی موشگافیاں ہیں۔ان کی شاعری سے مشرقی و مغربی فلسفہ برآمد کیا جاتا ہے۔لیکن اگر ہم زمانی حوالہ سے بھی بات کرتے ہیں تو وہ پہلے شاعر تھے بعد میں فلسفی کیوں کہ ان کے ابتدائی دور کی شاعری "شاعری" ہے اور فلسفی بعد میں بنتے ہیں۔

سرمایہ داری اور اشتراکیت کے دونوں نظام مغرب کے وضع کردہ ہیں اور دونوں میں مادی فائدے حاصل کرنے کی دوڑ شامل ہے۔ سرمایہ داری نظام میں سرمایہ دار اپنے سرمایہ کے بل بوتے پر محنت کش طبقے کا استحصال کرتا ہے اور اپنے سرمایہ کو بڑھانے کی تگ ودو میں مصروف رہتا ہے۔اشتراکیت اس کے رد عمل کے طور پر سامنے آئی ہے اس میں بھی مادیت ہے لیکن اس نظام میں سرمایہ، پیدوار کے ذرائع حکومت کی ملکیت ہوتے ہیں۔دونوں نظام غریبوں کا خون چوستے ہیں اور دونوں نظام اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے کے منکر ہیں۔

علامہ اقبال پر بعض اشتراکی دانشوروں نے یہ الزام لگایا کہ نہ صرف اقبال اشتراکیت کے حامی ہیں بل کہ مبلغ بھی ہیں۔اس کے بارے میں سیّدعبداللہ یوں رقم طراز ہیں:

> "آج کل اقبال اور سوشلزم کا موضوع زبان وقلم کا سب سے بڑا موضوع ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جتنے تعصبات اس سلسلے میں ظاہر ہو رہے ہیں کسی اور میدان میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ایک بات بالکل یقینی ہے کہ اقبال سرمایہ کاری (جو ایک مغربی اصطلاح ہے) اور جاگیرداری کے سخت مخالف تھے۔دوسری بات واضح ہے کہ اقبال دولت مندی کے بگاڑ کے بھی مخالف تھے جس میں آج کل اشتراکی اور غیر اشتراکی امراور دولت مند طبقے یکساں طور سے مبتلا ہیں۔تیسری بات یہ بھی یقینی ہے کہ اقبال مغربی تمدن اور فرنگی طرزِ زندگی کے بھی دشمن تھے جو سرمایہ داری سے ابھرا ہے یا یوں کہیے کہ سرمایہ داری اس سے اُبھری ہے۔"(۱۹)

اقبال کو عقلِ محض کی بدولت فقط مادیت کی بنیاد پر پروان چڑھنے والی اس تہذیب کا مستقبل مخدوش نظر آتا ہے۔آپ اہل فرنگ کو اس حقیقت سے یوں آگاہ کرتے ہیں:

تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے (۲۰)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ اقبال سرمایہ دار کے خلاف دکھائی دیتے ہیں۔ وہ سرمایہ دار اور مزدور میں، جاگیر دار اور کسان میں کسی سمجھوتے یا درمیانی راہ کے قائل نہ تھے۔ وہ سرمایہ داری کے سفینے کے ڈوبنے کے منتظر ہیں۔

دورِ حاضر میں جتنی تیزی سے ترقی ہو رہی ہے اس سے زیادہ سرعت سے بدامنی کا جن بے قابو ہوا جا رہا ہے۔ جس کی بنیادی وجہ اخلاقی انحطاط ہے۔ ماضی میں قومیں ایک دوسرے پر بزورِ شمشیر غلبہ حاصل کر لیتی تھیں۔ غالب قوم مغلوب قوم کے وسائل پر قبضہ جمالیتی اور جب تک اس کی عصبیت کمزور نہ ہوتی مقتدر رہتی۔ دورِ حاضر گلوبلائزیشن (عالمگیریت) کا دور ہے۔ قوموں کے مفادات ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ اب یہ ممکن نہیں کہ مغلوب قوم غلام بن جائے۔ برسوں اپنی آزادی کے لیے آواز بلند نہ کرے اور کوئی دوسری قوم اس کی مدد کو نہ آئے۔ یورپی تہذیب مادی زندگی اور کسب زر کو ہی زندگی کی کامیابی سمجھتی ہے۔ مادی لذتوں کو یورپ نے اس قدر اہمیت دی تھی کہ یہ لذتیں بجائے خود ان کا مقصود بن گئیں۔ علامہ اقبال کی شاعری سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مادیت پرستی کی وجہ سے انسان روحانی اقدار سے محروم ہو گیا۔

علامہ اقبال مغرب کے علم و فن اور ذوق ایجاد کو مانتے ہیں مگر مغرب کے مجموعی اندازِ سیاست اور اندازِ فکر کو انسانیت کے لیے باعث ہلاکت سمجھتے ہیں۔ آپ مسلمانوں کو فرنگی تہذیب اور فرنگی فکر کے تقلید کرنے سے منع کرتے ہیں۔ جدید تہذیب کا ظہور فرنگ میں ہوا تو انسانیت اس کی چمک سے مرعوب ہو گئی۔ اقبال اس تہذیب کا پردہ چاک کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے (۲۱)

علامہ اقبال کو کوئی شاعر مشرق کہتا ہے۔ کوئی شاعر اسلام کا نام دیتا ہے۔ کوئی ترجمان حقیقت اور کوئی حکیم ملت کہتا ہے۔ یہ سب خطابات اور القابات اپنی جگہ درست اور موزوں ہیں لیکن اقبال کی شاعری اور اس کے افکار و جذبات پر جو چیز بھاری معلوم ہوتی ہے وہ تمنائے انقلاب ہے۔ صرف ملت اسلامیہ میں ہی نہیں بل کہ تمام دنیا میں اس کے ہر شعبے میں انقلاب کا آرزو مند ہے۔ اردو شاعری کے مباحث میں انقلاب خاص طور پر علامہ اقبال کی شاعری کا مطمع نظر ہے۔ آپ اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں کو جو غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے ان کو مثالوں کے ذریعے بیدار کرنا چاہتے تھے تاکہ ان کی زندگیوں کا دھارا بدل جائے۔ اس انقلاب کی وجہ سے مسلمان اپنی کھوئی ہوئی طاقت پھر سے حاصل کر لیں۔ اسی خواہش کی وجہ سے شاعر انقلاب کہلائے۔ علامہ اقبال نے وہ دور دیکھا جب چار جانب سے مسلمانوں پر مغربی بجلی قہر بن کر گر رہی تھی۔ علامہ اقبال نے مسلمانوں کی حالت کی طرف توجہ دی۔ مسلمانوں کی مذہب سے وابستگی نہ ہونا، اسلاف کے کارناموں کو بھلا بیٹھنا، ان تمام باتوں کو علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں بیان کیا ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں کی رگوں میں لہو سرد ہو چکا تھا انھیں پھر سے گرمانے کی ضرورت تھی۔ پھر اقبال انقلاب روس کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے(۲۲)

علامہ اقبال اپنی شاعری میں اتحاد کے مباحث کے حوالے سے سمجھتے ہیں کہ اگر کسی قوم میں اتحاد ہو جائے تو دنیا میں انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔ کرہ ارض میں انسان ایک قطرہ اور انسانیت ایک قلزم کی مثل ہے۔ انسان کو اپنے اعمال و افعال سر انجام دیتے وقت انسانیت کا مفاد مقدم رکھنا چاہیے۔ انسانیت کے امن اور فلاح میں انسان کا سکون اور وقار پوشیدہ ہے۔ اقبال نے اس نکتہ کو یوں واضح کیا ہے:

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں بیرونِ دریا کچھ نہیں (۲۳)

علامہ اقبال کے کلام میں شعری محاسن کے مباحث ان گنت ہیں۔ جب اقبال شاعرانہ انداز، الفاظ، تشبیہات و استعارات، رمز و کنایہ اور عروض کی پابندی کرتے ہیں تو وہ فلسفہ سے دور ہو جاتے ہیں۔ ان کے الفاظ میں ترنم اور موسیقیت ہے۔ وہ صوتیات سے واقف ہیں اور ان کا استعمال اتنی خوبصورتی سے کرتے ہیں کہ ان کے ایک شعر پر سو شاعروں کے دیوان قربان کیے جاسکتے ہیں۔ ڈاکٹر ایوب صابر "کلام اقبال پر فنی اعتراضات" میں یوں رقم طراز ہیں:

"اقبال نے اساتذۂ زبان کے روز مرّہ محاورہ کی پابندی کو بڑی حد تک اپنا شعار بنائے رکھا۔ ایسا انھوں نے مصروفیت کے باجود اور شعوری طور پر کیا۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اقبال نے نئے محاورات، نئے استعارے، نئی تراکیب اور نئی تلمیحات بھی وضع کیں۔ انھوں نے زبان کا ایک منفرد اور جدید قالب تیار کیا۔"(۲۴)

فکر کی بلندی اور خیال کی رفعت میں اقبال کو ماضی و حال کے تمام شعرا پر سبقت حاصل ہے۔ ان کی رفعت کے حوالے سے یہ شعر دیکھیں:

پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی
ہے یہی اے بے خبر رازِ دوامِ زندگی(۲۵)

کسی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے علامہ اقبال ایسا عمدہ طرزِ بیان اختیار کرتے ہیں اور الفاظ کا انتخاب اس قدر موزوں اور مناسب ہوتا ہے کہ شعر میں ایک خاص قسم کی رنگینی و شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو اثر پیدا کرنا چاہتے ہیں الفاظ کے پورے طور پر حامل نظر آتے ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا(۲۶)

عربی و فارسی پر قدرت کاملہ رکھنے کے باعث علامہ اقبال ایسی تراکیبیں ایجاد کرتے ہیں کہ جو مفہوم ان چند الفاظ سے ادا ہو جاتا ہے۔ وہ کئی جملوں میں ادا نہیں ہو سکتا۔ ایسے مرکب الفاظ کو آپ جس سلیقے اور لطف کے ساتھ باندھ جاتے ہیں۔ دوسروں کو نصیب نہیں۔ یہ خصوصیت غالب اور مومن کے زمانہ سے اُردو میں عام ہوئی اور علامہ اقبال نے اس کو اس قدر مقبول بنا دیا کہ پھر سب نے آپ کی تقلید میں نئی نئی ترکیبیں ایجاد کرنی شروع کر دیں۔ لیکن عربی و فارسی سے کم علمی کی بنا پر اکثر شعرا عموماً گوناگوں غلطیوں کے شکار ہو جاتے ہیں۔ جدید تراکیب کی اقبال کے کلام سے مثال دیکھیں:

گرج کا شور نہیں ہے خموش ہے یہ گھٹا
عجیب میکدۂ بے خروش ہے یہ گھٹا(۲۷)

اردو شاعری کی تاریخ میں صرف علامہ اقبال وہ واحد شاعر ہیں جو اپنے خاص رنگ اور نئے فکری احساس سے شاعری میں بہ اعتبار مضمون اور صنائع بدائع و تلمیحات اور فلسفہ سے نئی روح پھونک دی۔ شاعری کو ایسا لب و لہجہ دیا کہ لوگ ان کی شاعری کو پسند کرنے لگے۔ شعرا نے اقبال کی پیروی اور تقلید کرنا شروع کر دی۔ اقبال کے خیالات اور افکار ان کی شاعری میں آئینہ کی طرح جھلک رہے ہیں۔

حوالہ جات و حواشی

1. ڈاکٹر سیّد عبداللہ: اقبال: مسائل و مباحث، مرتبہ: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، س ن)، ص ۲۴۲
2. ڈاکٹر مظہر علی حامد: اردو نظم پر اقبال کے اثرات (کراچی، سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۱۲ء)، ص ۱۴۰
3. ڈاکٹر علامہ محمد اقبال: بال جبریل (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع ہشر دہم اپریل ۱۹۷۲ء)، ص ۸۷
4. عزیز احمد: اقبال نئی تشکیل (لاہور: گلوب پبلشرز، ۱۹۴۷ء)، ص ۲۶
5. ڈاکٹر علامہ محمد اقبال: ارمغانِ حجاز (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع یازدہم ۱۹۷۵ء)، ص ۴۹
6. ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم: فکرِ اقبال (علی گڑھ (انڈیا): ایجوکیشنل بک ہاؤس مسلم یونیورسٹی مارکیٹ، ۲۰۲۰ء)، ص ۳۱
7. علامہ ڈاکٹر محمد اقبال: بانگ درا (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء)، ص ۲۹۴
8. ڈاکٹر علامہ محمد اقبال: کلیاتِ اقبال (اردو) (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۲ء)، ص ۳۹۴
9. پروفیسر محمد طاہر فاروقی: سیرت اقبال، (لاہور: گوہر پبلیکیشنز، سن ندارد)، ص ۹۰
10. ڈاکٹر علامہ محمد اقبال: ضَربِ کلیم (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع ششدہم، ۱۹۷۲ء)، ص ۱۷۶
11. منظور احمد: اقبال شناسی (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، جون ۲۰۰۲ء)، ص ۱۱۰
12. ڈاکٹر علامہ محمد اقبال: بال جبریل، ص ۴۰
13. ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم: فکرِ اقبال، ص ۳۱

14. ڈاکٹر علامہ محمد اقبال: بال جبریل، ص ۱۵۱
15. ایضاً، ص ۹۳
16. ایضاً، ص ۱۲۹
17. ایضاً، ص ۱۲۲
18. ڈاکٹر علامہ محمد اقبال: بانگ درا، ص ۱۶۹
19. ڈاکٹر سیّد عبد اللہ: اقبال: مسائل و مباحث، مرتبہ: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشم، ص ۲۴۲
20. ڈاکٹر علامہ محمد اقبال: کلیات اقبال (اردو)، ص ۳۰۵
21. ایضاً
22. ڈاکٹر علامہ محمد اقبال: بانگ درا، ص ۲۷۶
23. اقبال، علامہ، ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال (اردو) ص ۴۹۷
24. ڈاکٹر ایوب صابر: کلام اقبال پر فنی اعتراضات، (اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۰ء)، ص ۲۳
25. ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بانگ درا، ص ۲۷۱
26. ایضاً، ص ۲۸۳
27. ایضاً، ص ۱۰۲

ماخذات

اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد: ارمغانِ حجاز، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع یازدہم ۱۹۷۵ء

اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد: بالِ جبریل، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع ہشردہم اپریل ۱۹۷۲ء

اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد: بانگ درا، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء

اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد: ضَربِ کلیم، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع ششدہم، ۱۹۷۲ء

اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد: کلیات اقبال اردو، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۲ء

ایوب صابر، ڈاکٹر: کلام اقبال پر فنی اعتراضات، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۰

پروفیسر محمد طاہر فاروقی: سیرت اقبال، لاہور: گوہر پبلیکیشنز، سن ندارد

خلیفہ عبد الحکیم، ڈاکٹر: فکرِ اقبال، علی گڑھ (انڈیا): ایجوکیشنل بک ہاؤس مسلم یونیورسٹی مارکیٹ، ۲۰۲۰ء

سیّد عبد اللہ، ڈاکٹر: اقبال: مسائل و مباحث، (مرتبہ) رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، س ن

عزیز احمد: اقبال نئ تشکیل، لاہور: گلوب پبلشرز، ۱۹۴۷ء

مظہر علی حامد، ڈاکٹر: اردو نظم پر اقبال کے اثرات، کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۱۲ء

منظور احمد: اقبال شناسی، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، جون ۲۰۰۲ء

Refrences:

1. Dr. Syed Abdullah: Iqbal: Masael o Mobahis, edited by: Dr. Rafiuddin Hashmi (Lahore: Iqbal Akademi Pakistan, S.N.), p. 242
2. Dr. Mazhar Ali Hamid: Urdu Nazam par Iqbal ke asrat (Karachi: City Book Point, 2012), p. 140
3. Dr. Allama Muhammad Iqbal: Bal-e-Jibrael (Lahore: Sheikh Ghulam Ali and Sons, April 10, 1972), p.87
4. Aziz Ahmad: Iqbal Nayi Tashkil (Lahore: Globe Publishers, 1947), p.26

5. Dr. Allama Muhammad Iqbal: Armugharn-i Hijaz (Lahore: Sheikh Ghulam Ali and Sons, 10th Edition, 1975), p. 49
6. Dr. Khalifa Abdul Hakeem: Fikr-e-Iqbal (Aligarh (India): Educational Book House Muslim University Market, 2020), p. 31
7. Allama Dr. Muhammad Iqbal: Bang-e-Dara (Lahore: Sangmail Publications, 1992), p. 294
8. Dr. Allama Muhammad Iqbal: Kalyat-e-Iqbal (Urdu) (Lahore: Sheikh Ghulam Ali and Sons, 1982), p.394
9. Professor Muhammad Tahir Farooqi: Seerat Iqbal, (Lahore: Gohar Publications, Sun ndard), p.90
10. Dr. Allama Muhammad Iqbal: Zarb-e-Kaleem (Lahore: Sheikh Ghulam Ali and Sons, Sixth Edition, 1972), p. 176
11.Manzoor Ahmad: Iqbal Shanasi (Lahore: Adarah Saqaft Islamia, June 2002), p. 110
12. Dr. Allama Muhammad Iqbal: Bal-e-Jibrael, p.40
13. Dr. Khalifa Abdul Hakeem: Fikr-e-Iqbal, p. 31
14. Dr. Allama Muhammad Iqbal: Bal-e-Jibrael, p. 151
15. Ibid, p.93
16. Ibid, p. 129
17. Ibid, p. 122
18. Dr. Allama Muhammad Iqbal: Bang-e-Dara, p. 169
19. Dr. Syed Abdullah: Iqbal: Masael o Mobahis, edited by: Dr. Rafiuddin Hashim, p. 242
20. Dr. Allama Muhammad Iqbal: Kilyat Iqbal (Urdu), p. 305
21. Ibid
22. Dr. Allama Muhammad Iqbal: Bang-e-Dara, p. 276
23. Iqbal, Allama, Dr., Kalyat-e-Iqbal (Urdu) p.749
24. Dr. Ayub Sabir: kalam e Iqbal par fani etirazat, (Islamabad: Purab Academy, 2010), p. 23.
25. Dr. Allama Muhammad Iqbal, Bang-e-Dara, p. 271
26. Ibid, p. 283
27. Ibid, p.102